عبداللہ ملک

آفتابِ خطابت

بیتے ہوئے دن کچھ ایسے ہیں تنہائی جنہیں دہراتی ہے۔

یہ دلفریب موسم تھا، سورج کی کرنوں کی چبھن کم ہو رہی تھی شاموں کا حسن نکھر رہا تھا، ان ملگجی شاموں کو باغوں اور پارکوں میں ہجوم بڑھنے لگا تھا، سبزہ پھوٹ رہا تھا، ہریالی آ رہی تھی ٹنڈ منڈ درختوں پر پتے پھر سے نمودار ہو رہے تھے۔ باغوں اور میدانوں میں خوشبوئیں پھیلنی شروع ہو گئیں تھیں۔ مجھے آج ایک ایسے ہی موسم اور ایسے ہی دنوں کی بات کرنی ہے۔

آج بھی یہ موسم آتا ہے، آج بھی کونپلیں پھوٹتی ہیں، ہریالی آتی ہے۔ آج باغوں اور پارکوں میں سرِشام لوگوں کے ہجوم جمع ہوتے ہیں تاکہ وہ اس حسن سے لطف اندوز ہو سکیں۔ لیکن جو بات میں بتانا چاہتا ہوں وہ بات اب نہیں ہوتی۔

ان نئی بہاروں پر، ان نئے نظاروں پر
اک رند ہی کے رو رہے ہیں میخانے

بہت برس پہلے کی بات ہے۔ ان دنوں کی یاد کو سینے میں دبائے ایک مدت گزر گئی ہے۔ اب بھی جب یہ دن یاد آتے ہیں تو جذبات میں ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ماضی کی ان یادوں میں کھو جانے کو جی چاہتا ہے۔

ایسے ہی موسم میں جب شاموں کا حسن نکھر آیا تھا اور راتیں خنک ہونی شروع ہو گئی تھیں تو قادیان میں مجلس احرار نے تبلیغ کانفرنس (اکتوبر ۱۹۳۴ء) کے انعقاد کا اعلان کیا تھا۔ صرف انعقاد کا اعلان اور وہ بھی مجلس احرار کی طرف سے ایک زبردست ہنگامے کو دعوت تھی۔ آج اتنے برس گزرنے کے بعد شاید نئی پود ان ہنگاموں کو سمجھ ہی نہ سکے اور نہ ہی کوئی مؤرخ بیان کرنے کے لئے تیار ہو۔ لیکن اس کے باوجود خطابت کی تاریخ اور شعلہ نوائیوں کی داستان میں یہ کانفرنس اپنا عنوان ڈھونڈ کر ہی رہے گی۔ ہاں تو جن دنوں اس کانفرنس کے انعقاد کا اعلان ہوا۔ اس وقت پنجاب میں مجلس احرار کا طوطی بول رہا تھا۔ اس شعلہ بیان خطیبوں کی جماعت نے مسلمانانِ پنجاب کو بہت حد تک متاثر کر لیا تھا۔ یہ کشمیر چلو تحریک کا معرکہ سر کر چکے تھے۔ سر فضل حسین کی پوری کامیابیوں اور کامرانیوں کے باوجود مسلمانوں کے درمیانی طبقے میں مجلس احرار انکی ساکھ پر ایک گہری چوٹ لگا چکی تھی۔ غرضیکہ چاروں طرف شہر اور قریہ میں ان شعلہ نواؤں کے چرچے تھے۔ میں بھی ان چرچوں سے متاثر تھا۔ نویں جماعت کا طالب علم مولانا داؤد غزنوی کے خطبوں سے شدید طور پر

متاثر، احرار کے جلسوں کا رسیا، اب یہ موقع کیسے کھو سکتا تھا چنانچہ کچھ بزرگ دوستوں کے ساتھ قادیان روانہ ہو گیا۔

اب اڑسٹھ برس بعد میں یہ یادیں دھندلا گئی ہیں صرف امیر شریعت کے الفاظ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں، کہ قادیان میں ایک ہجوم تھا۔ جس کو، یہ قریہ جس نے "نبوت" کو تو سنبھال لیا لیکن وہ امیر شریعت کے چاہنے والوں کو سمیٹنے سے قاصر تھا، کوئی گاڑی، کوئی بس، کوئی بیل گاڑی، کوئی ٹم ٹم، کوئی تانگہ، کوئی سائیکل ایسی نہ تھی۔ جو قادیان کی طرف نہ آ رہی ہو، اور رضا کار دنوں پہلے پیدل چل دیئے تھے۔ جیسے جیسے یہ مختلف دیہات میں گزرتے دیہات والے بھی ان کے ساتھ ہو جاتے اور قادیان پہنچتے پہنچتے یہ خود ایک جلسہ بھی ہوتے اور ایک جلوس بھی۔ یہ پہلی تحریک تھی جس نے یہاں کے مسلمانوں کے دونوں جذبوں کو بیک وقت متاثر کیا، ان کے نعرے ان کے جذبۂ عشقِ رسول ﷺ کو بھی متاثر کرتے تھے اور ان کی انگریز دشمنی اور حب الوطنی کے جذبے کی بھی ان نعروں سے تشفی ہوتی تھی۔

اس کانفرنس کا انعقاد اکتوبر ۱۹۳۴ء کے تیسرے ہفتے میں ہوا اور ۲۱، ۲۲، ۲۳ اکتوبر کی تاریخوں کا اعلان کیا گیا تھا۔ کانفرنس کے لئے ایک سکھ زمیندار کی اراضی حاصل کی گئی تھی اس زمیندار کا نام ایشر سنگھ تھا، اس اراضی پر پنڈال بھی تیار ہونا شروع ہو گیا تھا لیکن مرزائیوں نے اس اراضی پر قبضہ کر لیا۔ اب احراریوں کے لئے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ یا تو وہ اس اراضی کے لئے لڑتے یا پھر شہر سے دور کانفرنس منعقد کرتے۔ احرار نے جھگڑا کرنے سے گریز کیا، کیونکہ اس وقت مرزائیوں کے ان ارادوں کو بھانپتی تھی چنانچہ اس اشتعال کے باوجود مجلس احرار نے ایشر سنگھ کی اراضی پر کانفرنس منعقد نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اس کے بعد قادیان سے ایک میل کے فاصلے پر ڈی۔ اے وی سکول کے پہلو میں پنڈال تیار کیا گیا۔

کانفرنس سے دو دن پہلے "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے نامہ نگار نے قادیان [redacted] خبر بھیجی تھی جس میں اس کانفرنس کے خدوخال اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

> "مجلس احرار اکیس، بائیس اور تیئیس اکتوبر کو ایک تبلیغی کانفرنس قادیان میں منعقد کر رہی ہے۔ اس کانفرنس کے لئے بڑے وسیع پیمانے پر تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مرزائیوں کی طرف سے مسلسل یہ مہم چلائی جا رہی ہے کہ اس کانفرنس سے انکا جان و مال خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ چنانچہ مرزائیوں نے اپنی حفاظت کے لئے لاتعداد دیہاتیوں کو اور اپنے مریدوں کو قادیان میں جمع کرنا شروع کر دیا ہے ادھر احرار کی اس کانفرنس میں بیس سے لے کر پچاس ہزار کا ہجوم پہنچا ہے۔ مزید براں کانفرنس کے منتظمین کا مطالبہ ہے کہ ان کو کانفرنس کے صدر کا جلوس نکالنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ اور یہ جلوس قادیان شہر میں سے گزرے۔
>
> اس کانفرنس کے پیش نظر آج صبح پنجاب کے انسپکٹر جنرل پولیس خود بہ نفسِ نفیس

قادیان آئے۔ ان کے ہمراہ پولیس کی بھی ایک بھاری جمعیت تھی۔ چنانچہ انسپکٹر جنرل پولیس نے کانفرنس وغیرہ کا موقع دیکھا اور احکام جاری کر دیئے گئے ہیں کہ اگر اس کانفرنس کے دوران میں قادیانیوں نے کوئی اجتماع منعقد کرنے کی کوشش کی تو یہ اجتماع خلاف قانون تصور ہوگا۔ انسپکٹر جنرل نے احراریوں اور ان کی کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کو بھی متنبہ کر دیا ہے کہ وہ کانفرنس میں کسی قسم کے ہتھیار کے ساتھ شرکت نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ لاٹھیوں کو ساتھ لانے کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ مزید برآں کانفرنس میں شرکت کے لئے آنے والے لوگوں کے لئے ایک خاص راستہ متعین کر دیا گیا ہے۔ نیز اگر کسی قسم کا جلوس نکالا جائے تو اسے شہر میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آج شام تک قادیان میں امن وامان بحال رکھنے کے لئے چار سو پولیس کے سپاہی پہنچ جائیں گے لیکن میرا اندازہ یہی ہے کہ یہ تمام پیش بندیاں بالکل غیر ضروری ہیں کیونکہ احراری ہر حالت میں کسی قسم کے جھگڑے سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں۔ انکی کانفرنس کا پنڈال ڈی۔ اے۔ وی سکول میں بننا شروع ہو گیا ہے۔ اور اردگرد کے تمام علاقے میں ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے۔ مزید لاٹھیاں نہ لانے کی بھی منادی کرادی گئی ہے۔"

اس اقتباس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ پورے پنجاب میں اس کانفرنس کے کس قدر چرچے تھے اور کتنے گوشوں سے اس کانفرنس کی کامیابی اور ناکامی کی خبروں کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ اس فضا میں یہ کانفرنس ہوئی اس کے صدر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے۔ چنانچہ رات جب اپنا پورا سایہ ڈال چکی، لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر فارغ ہوچکے تو صدر کانفرنس سید عطاء اللہ شاہ بخاری تشریف لائے۔ ہزارہا انسان کا ہجوم اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی پنڈال میں آمد اور کون سید عطاء اللہ شاہ بخاری ملتان کی سرزمین میں دفن ہونے والا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نہیں، وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نہیں جس کی زبان گنگ ہو گئی تھی، جس کے چہرے کا جھریوں نے احاطہ کر لیا تھا جس کے بالوں میں بڑھاپے کی سفیدی آ گئی تھی، یہ وہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے جن کا شباب اور شعلہ بیانی دونوں اپنے عروج پر تھے، جو لاؤڈ سپیکر کے بغیر لاکھوں کے ہجوم کو مسخر کر سکتا تھا، جس کا حسن اور بیان دونوں الگ الگ جادو جگاتے تھے۔ پچاس ہزار کا مجمع، رات کی خاموشی، قمقموں کی روشنی اور اتنے میں حسن و نور کے پیکر، شعلہ بیان خطیب اور شریعت کے امیر کی آمد

تم آگئے تو ازسر نو زندگی ہوئی

بس پھر کیا تھا مجمع میں کہاں ایک خاموشی اور ہو کا عالم تھا کہ اب وارفتگی اور دیدار یار کی بے تابی نے سب کو آن گھیرا ہے اور اس بے تابی اور وارفتگی کا اظہار نعروں کی گونج میں ہوتا ہے، شاہ جی ہیں کہ مسکراتے ہوئے مجمع کو چیرتے ہوئے اسٹیج کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ اسٹیج پر پہنچے، چاروں طرف نگاہِ مست انداز میں دیکھا بس

پھر کیا تھا نعروں کا ایک اور سیل ٹوٹ پڑا۔ اور امیر شریعت فاتحانہ انداز میں مسکرا رہے ہیں۔ مجمع خاموش ہوا۔ تلاوت ہوئی نظم ہوئی۔ اب سے اڑسٹھ برس پہلے کی تفصیلوں کو دہرائیے اور انہی تفصیلوں کو جن پر شاہ جی کی تاریخی تقریر کی دبیز تہیں چڑھی ہوئی ہوں، شاہ جی نے یہی کوئی نو ساڑھے نو بجے تقریر شروع کی ہو گی اور رات تھی کہ وہ بھی دم بخود گزرے جا رہی تھی لیکن شاہ جی کی شعلہ بیانی بڑھتی جا رہی تھی، اس شعلہ بیانی اور آتش نوائی کو قدم قدم پر نعروں، قہقہوں اور آنسوؤں کے ذریعے خراج عقیدت پیش ہو رہا تھا۔ یہی وہ تقریر تھی جس میں شاہ جی نے اپنا مشہور جملہ کہا تھا۔

"تم اپنے بابا کی "نبوت" لے کر آؤ اور میں اپنے نانا کی نبوت لے کر آتا ہوں تم حریر و دیبا زیب تن کر کے آؤ اور میں اپنے نانا کی سنت کے مطابق کھدر پہن کر آؤں۔ تم یاقوتی اور پلومر کی شراب کے خم لنڈھا کر آؤ اور میں روکھی سوکھی روٹی کھا کر آؤں اور پھر زمانہ فیصلہ کرے کہ کون سچے نبی کی اولاد ہے۔"

یہ تقریر جو رات کی خاموشی میں شروع ہوئی تھی۔ جو عشاء کی نماز کے بعد جب ابھی رات کا آغاز تھا لوگوں نے سننی شروع کی تھی۔ یہ تقریر پوری رات ہوتی رہی اور مجمع بیٹھا رہا۔ ایک بھی ذی نفس ایسا نہیں تھا جس نے تھکن کا اظہار کیا ہو، جس کے چہرے سے اکتاہٹ کی غمازی ہوئی ہو۔ اتنے میں صبح کا نور پھیلنا

شروع ہو گیا۔ اور مؤذن نے اذان دے دی۔ تقریر تھی کہ اس وقت بھی اپنے عروج پر تھی لیکن موذن نے اس سیل رواں کو روک دیا اور خطابت کے دریاؤں کو بند مار دیا۔ ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ میں بہت کم خطیب او رمقرر ایسے گزرے ہیں جنھوں نے رات رات بھر تقریر کی ہو جنھوں نے لوگوں کو اس قدر مسحور کیا ہو جیسا کہ امیر شریعت نے کیا ہے۔ کوئی آیا نہ آئے گا لیکن

کیا کریں گر نہ انتظار کریں

اور غالباً اسی موضوع کو حسرت موہانی نے کہا تھا۔

بلا کشانِ غمِ انتظار ہم بھی ہیں
خرابِ گردشِ لیل و نہار ہم بھی ہیں

آج تقریباً صدی گزرنے کے بعد جب ہم اس عظیم ہستی کی یادیں سمیٹ رہے ہیں تو کچھ حلقوں میں یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے کہ آخر یہ ہستی اتنی اہم کہاں تھی کہ اسکی یاد میں آنسو بہائے جائیں، صفحات سیاہ کئے جائیں اخبارات اور رسالوں کے نمبر نکالے جائیں۔ آخر احرار یا بخاری نے کون سے کارہائے نمایاں کئے ہیں۔ کہ ان کے کارناموں کی فہرست افتراق و انتشار انگیز تحریکوں سے بھری پڑی ہے۔ اس لئے انکو دوبارہ ہوا دینا کہاں کی خدمت اور کہاں کی نیکی ہے۔

یہ سب سوالات آج کل بہت سے حلقوں میں اٹھائے جا رہے ہیں کہ ان سوالات کے جواب دیئے جائیں تا کہ تاریخ کی گرہیں کھل سکیں۔ اور جن تحریکوں کو افتراق و انتشار کا مظہر بتایا جاتا رہا ہے۔ یا آج بتایا جا رہا ہے اس کے متعلق مورخ کو مواد مل سکے۔

مجھے اس صحبت میں صرف ایک مختصر سے سوال کا جواب دینا ہے۔ یہ سوال پچھلے پچاس ساٹھ برس سے اٹھایا جا رہا ہے کہ قادیانیوں یا احمدیوں کے خلاف تحریک مسلمانوں میں افتراق پھیلنے کے مترادف نہیں ہے........؟ ایک اور طبقے کی طرف سے بھی یہ سوال اٹھایا جاتا تھا کہ مسلمانوں کی سیاست کو مذہب کا تابع بنایا جا رہا ہے۔ اور اس طرح غلط اقدار اور رجعت پسند نظریات کو شہ دی جا رہی ہے؟ ان سوالوں کا جواب تفصیل چاہتا ہے اور ان کا جواب پچھلے پچاس برس کی تحریکوں میں پھیلا ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک بات واضح ہے کہ قادیانیوں کے خلاف تحریک مسلمانوں کی ایک بہت اور بالخصوص پنجاب کے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی سامراج دشمن تحریک تھی اور پنجاب میں سامراج اور اس کے مسلمان خلیفوں کو شکست دینی اس وقت تک ممکن نہیں تھی جب تک قادیانیوں کا طلسم نہ توڑا جاتا اور عوام کو انکی اصل حقیقت سے آگاہ نہ کیا جاتا۔ باقی دوسرے سوال کا جواب بھی یہی ہے کہ سامراج اور رجعت پسند طاقتیں اکثر و بیشتر غلط مذہب اور لوگوں کی توہم پرستی سے فائدہ اٹھا کر اپنے اثر کو عوام میں پھیلاتے ہیں اس لئے سامراج دشمن تحریکوں اور جماعتوں کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ سامراج کی ان سازشوں کو بھی بے نقاب کریں۔ اور آج یہ حقیقت ہے کہ پنجاب میں اس وقت میں مجلس احرار نے سامراج کی اس سازش کو بے نقاب کیا تھا۔ اس سلسلے میں تاریخ لکھنے والوں کو بہر حال توجہ کرنی چاہیئے۔

امیر شریعت کی اس تقریر کی بنا پر ۱۵۳ الف کے تحت ان کی گرفتاری عمل میں آئی اور ان پر مقدمہ چلا اور ان کو ماتحت عدالت نے سزا سنا دی لیکن جی۔ ڈی۔ کھوسلہ جو ان دنوں گورداسپور میں سیشن جج تھے نے امیر شریعت کی سزا کو گھٹا کر تا برخاست عدالت تک رہنے دیا اور اپنے فیصلے میں قادیانیوں کے متعلق بہت ہی سخت تجزیہ کیا۔ اور قادیانیوں نے قادیان میں اپنے مخالفین پر مظالم کو تسلیم کیا۔ اس فیصلے پر زبردست لے دے ہوئی اور قادیانیوں نے بالآخران ریمارکس کو حذف کروانے کے لئے ہائیکورٹ کی طرف رجوع کیا۔ یہ مقدمہ بذات خود ایک داستان ہے۔ اسے کسی اور وقت مرتب کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔